۷۸۶

آل انڈیا مسلم لیگ!

کا

ستائیسواں سالانہ اجلاس

خطبۂ صدارت

جو

نواب سر محمد شاہنواز خان آف ممدوٹ

صدر مجلس استقبالیہ

نے

۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں پڑھا

(شایع کردہ مجلس استقبالیہ)

محترم قائداعظم! معزز مہمانو اور عزیز بھائیو۔ میں اس
کو اپنی انتہائی خوش قسمتی سمجھتا ہوں۔ کہ آج پنجاب کے مسلمانوں اور
مجلس استقبالیہ کے ارکان کی طرف سے آپ حضرات کی خدمت میں
پرخلوص خیر مقدم کا ہدیہ پیش کرنے کا فخر مجھے حاصل ہوا ہے۔ آپ نے
ہماری دعوت کو قبول و پذیرائی کا شرف عطا فرما کر ہمیں جو عزت بخشی ہے
اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ ہمیں
مہمانداری کے سامانوں کی فرومائگی کا پورا احساس ہے۔ لیکن مجھے یقین
ہے۔ کہ اگر ہم سے اضطراراً کوئی فروگذاشت ہو گئی ہو۔ تو آپ اس پر لطف و کرم
کا پردہ ڈالنے میں توقف نہ فرمائیں گے۔ آپ کی نظریں ہماری مادی بیچارگی

پر نہیں بلکہ عقیدت بھرے دلوں پر مبذول رہنی چاہئیں۔ جو اُن اہم مقاصد کے عشق سے لبریز ہیں۔ جن پر اس سرزمین میں ہماری عزت مندانہ زندگی کا مدار و انحصار ہے۔ یہی عشق آپ حضرات کو بھی دور دور سے کھینچ کر یہاں لایا ہے۔ اور یہی ولولہ ہمارے اس عظیم الشان اجتماع کی اصل واساس ہے۔ خواجہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور شعر ہے ؎

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست
کرم نما و فرود آکہ خانہ خانۂ تست

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اگر آنکھوں سے رواق تیار ہو سکتے۔ تو ڈیڑھ کروڑ پنجابی مسلمانوں کی آنکھیں آپ حضرات کے لئے آرام گاہیں تیار کرنے میں بصد شوق وقف ہو جاتیں۔ یہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں۔ شاعرانہ تخیل طرازی یا سپاس گزاری کی رسمِ عام کی پیروی نہیں۔ بلکہ ان حقیقی جذبات کا اظہار ہے۔ جو میرے ہر مسلمان پنجابی بھائی کے دل میں آج آپ کے خیر مقدم کے لئے موجزن ہیں۔

مقامِ اجتماع

ہمارا شہر لاہور جس میں آج آپ رونق افروز ہیں۔ شمالی ہندوستان کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ یہ اُس پانچ دریاؤں کی سرزمین کا دارالحکومت ہے جس کو سرسید احمد خاں مرحوم نے "زندہ دلوں" کا وطن قرار دیا۔ یہ اس سرزمین کا دل ہے۔ جہاں مسلمانوں کی تعداد دوسری اقوام کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے میں یہ دعوٰے تو نہیں کر سکتا۔ کہ اسلام کے دور عظمت و جلال کے آثار و باقیات

میں لاہور، دہلی کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن اس گرانقدر دولت میں سے اسے بھی وافر حصہ ملا ہے۔ آپ جس مقام پر اس وقت جمع ہیں۔ اس سے صرف دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر نورالدین جہانگیر محو خواب ہے۔ جو دودمان چغتائیہ کا ایک باشکوہ تاجدار تھا۔ اس کی "زنجیر عدل" کی آواز سے تاریخِ ہند کے ایوان ہمیشہ گونجتے رہیں گے۔ اور اقوامِ عالم کو مسلمانوں کی فرمانروائی کے قواعد و آداب بتاتے رہیں گے۔ اس کے پاس ہی آصف جاہ آغوشِ خاک میں سو رہا ہے۔ جس کی دیوانی و مدارالمہامی جہانگیر و شاہجہان کے عہد ہائے حکومت کا زرّیں باب ہے۔ ان سے چند قدم کے فاصلہ پر نور جہاں کی آخری آرامگاہ ہے۔ جسے اگرچہ ممتاز محل کا سا دیدہ تاب اور دل افروز مقبرہ نہ مل سکا۔ لیکن تاریخ کے صفحات پر اس کی جہانگیر شہرت کا تذکرہ ممتاز محل کے تذکرہ سے بدرجہا زیادہ درخشاں ہے۔ آپ کی نظروں کے سامنے عالمگیر اعظم کی وہ جلیل الشان مسجد کھڑی ہے۔ جس کے صحن کی کشادگی اسلام کے قلب کی وسعت اور میناروں کی رفعت مسلمانوں کے حوصلوں اور ارادوں کی سربلندی کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔ اس سے متصل اکبر اعظم کا قلعہ ہے۔ جس کی دیواریں اس سرزمین میں مسلمانوں کے انتہائی عروج کی رونق دیکھ چکنے کے بعد درد انگیز بے رونقی کے دلگداز منظر بھی دیکھ چکی ہیں۔ شہر کی جنوبی و شرقی سمت میں بیگم پورہ اور شالامار بھی ہمارے گراں بہا تاریخی خزانوں کے حامل ہیں۔

اسلام کے معنوی خزانے

متذکرہ بالا مناظر وہ ہیں۔ جن میں مادی شکوہ و جلال کو غلبہ حاصل ہے۔ لیکن اسلام کے معنوی خزانوں سے بھی شہر لاہور کافی بہرہ اندوز ہے۔ اسی سرزمین میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مقدس ہے جو شمالی ہند میں اسلام کے پہلے قاصد تھے۔ یہ خطہ خواجۂ ہند حضرت شیخ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے قدوم سے بھی مشرف ہو چکا ہے اور حضرت کا چلہ اب تک داتا گنج بخشؒ کے مزار کے پاس موجود ہے۔ شہر کے جنوب میں حضرت شیخ میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مقدس ہے۔ جو قادری سلسلۂ روحانیت کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ ان کے علاوہ اور سینکڑوں محترم اسلامی ہستیاں بھی اس سرزمین کی آغوش میں محو استراحت ہیں۔

اسلامیانِ ہند کا مقدمۂ انجمن

میرا مقصد یہ نہیں۔ کہ لاہور شہر کی تاریخ آپ کے سامنے بیان کروں۔ بلکہ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ ان مادی اور معنوی خزانوں کی فضا میں پرورش پانے والے مسلمان اسلامی حقوق و فرائض کی بجا آوری سے غافل نہیں ہو سکتے۔ پنجاب کے فرزندانِ توحید نے مسلمانانِ ہند کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ حتے الامکان اٹھا نہیں رکھا۔ انہوں نے کبھی یہ حقیقت فراموش نہیں کی کہ وہ ملت اسلامیہ کے جسم کا ایک قوی بازو ہیں۔ اور اس بازو

کا وظیفہ یہ ہے۔ کہ سارے جسم کی حفاظت کا فرض بہتر سے بہتر طریق پر بجا لائے۔ اور ہم بارگاہ باری تعالےٰ میں سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں۔ کہ اس اہم فرض کی ادائی میں راہ نمائی کے لئے ہمیں قائدِ اعظم جیسا قافلہ سالار مل گیا ہے۔ جس کی قیادت میں اسلامیانِ ہند کا کاروان آزادی اور استقلال کی منزل کی جانب گامزن ہے۔ اور عزت مندی کی فضا میں دوبارہ اپنا پرچم اڑا سکتا ہے۔ میں آپ حضرات کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ پنجاب کے مسلمان اس کٹھن اور ایثار طلب مجاہدہ میں اسلامیانِ ہند کے مقدمۃ الجیش بن کر کام کریں گے۔

موجودہ نظامِ حکومت کی اصولی خرابی

حضرات! ہندوستان کا مسئلہ ایک قوم کا مسئلہ نہیں بلکہ مختلف مستقل اقوام کا مسئلہ ہے۔ جن میں سے ہمارے قائدِ اعظم کے ارشاد کے مطابق ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں ہیں۔ یہاں کے مسائل میں آج تک جتنی پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا ہوئیں۔ اُن کی علت اس کے سوا کچھ نہیں۔ کہ مسئلہ کی یہ بنیادی حیثیت نظر انداز کی گئی۔ حکومت کے غیر ملکی کارپرواز اپنے ملک میں جن اصول وقواعد کے وہ عادی چلے آتے تھے۔ وہی اصول وقواعد انہوں نے بلا تکلف ہندوستان میں بھی جاری کر دیئے۔ ان کو اس بات کا احساس ہی نہ ہوا۔ کہ ہندوستان کے داخلی احوال انگلستان سے بالکل جداگانہ ہیں۔ ہمارے برادران وطن کو چونکہ بہ حیثیت مجموعی غلط یا صحیح طریق پر اکثریت حاصل تھی۔ اس لئے انہوں نے سمجھ لیا۔ کہ یورپی جمہوریت کے نفاذِ کامل کا نتیجہ بالآخر یہی ہوگا۔ کہ نظامِ حکومت کلیۃً ان کے ہاتھ

میں آ جائے۔ اور باقی تمام قومیں جو اقلیت میں ہیں اپنا استقلال کھو کر اکثریت میں مدغم ہو جائیں۔ مسلمان اگرچہ انگلستان و فرانس کی مجموعی آبادیوں کے برابر تھے۔ لیکن وہ بحیثیتِ ملت و جماعت صحیح سیاسی شعور سے آشنا نہ تھے۔ اس طرح ہندوستان کے نظامِ حکومت کی بنیاد و اساس میں ایک اصولی خرابی پیدا ہو گئی۔ ہندوستان کو جتنے اختیارات ملتے گئے۔ اس خرابی کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا۔ ۱۹۳۵ء کا دستور اس سلسلہ کی آخری کڑی تھا جسے برادرانِ وطن نے صرف اس وجہ سے مسترد کرنے کی کوشش کی کہ وہ داخلی معاملات میں ان کے اس مختاری مطلق کے منصوبہ کو پورا نہیں کرتا تھا جو وہ مدت دراز سے باندھے بیٹھے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے اس دستور کو اس بناء پر مسترد کیا۔ کہ یہ اُن کے لئے دوہری غلامی کا پروانہ تھا۔

اول:۔ داخلی معاملات میں برادران وطن کی غلامی۔

دوم:۔ خارجی معاملات میں غیر ملکی حکومت کی تابعیت۔

مسلمان ان دونو صورتوں میں سے کسی ایک کو بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور نہ اُس آزادی کے قائل ہیں جو کانگرس یا اس کی ہم آہنگ دوسری سیاسی پارٹیوں کا مطمح نظر ہے۔ اور جو برطانوی قوت کے سایہ میں ہندو راج قائم کرنے کے مترادف ہے۔

ہندوستان کی حقیقی حالت

مسلمان اگر دستور کی پُرانی بنیادوں کو توڑ کر ہندوستان کے حقیقی حالات کے مطابق نئی عمارت تعمیر کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ تو اس

کی غائیت یہی ہے۔ کہ وہ کسی کی تابعیت کو اپنے استقلال کے لئے شایاں وزیبا نہیں سمجھتے۔ اور نہ دوسری اقوام کے جائز حقوق پر دست درازی کے خواہاں ہیں۔ اسلام نے ہر وقت غیر مسلم اقوام کے ساتھ صرف رواداری کا برتاؤ ہی نہیں کیا۔ بلکہ ایسی اقوام کے جان و مال اور جائز حقوق کی حفاظت کا فرض نہایت ایمان داری اور فراخدلی سے انجام دیا ہے۔ آج بھی مسلمان اپنی ان شاندار اسلامی روایات کو پوری طرح سمجھتا ہے۔ اور انہیں قایم رکھنے کا خواہشمند ہے۔ اور آج کل کی سیاسی اصطلاحات کے مطابق اپنے لئے اور دوسری اقلیتوں کے لئے چاہے وہ غیر مسلم ہی ہیں آزادانہ فضا کا طلبگار ہے۔ مسلمانوں کی خواہش یہ ہے۔ کہ آزاد ہندوستان میں نو کروڑ فرزندانِ توحید کو، نیز دوسری اقلیتوں کو آزادانہ طور پر طبعی نشو و ارتقار کا پورا موقع ملنا چاہیئے۔ مسلمان اس بات کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ کہ اسے ایک ایسی اکثریت کے تسلط کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے۔ جو مذہب۔ تہذیب۔ کلچر، معاشرت اور معاشیات میں مسلمانوں سے بالکل مختلف ہے۔ یورپ کے مختلف باشندوں کے درمیان انفرادی یا اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ ان کا مذہب، ان کا تمدن، ان کی معاشرت اور ان کے تصورات زندگی فی الجملہ یکساں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کوئی ایک ملک کسی دوسرے ملک کا تسلط گوارا نہیں کرتا۔ اس کے برعکس ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان محض ایک سرزمین کے باشندے ہونے کے سوا اور کوئی بھی یکسانی و یک جہتی موجود نہیں۔ اور ہندوستان کی موجودہ جغرافیائی وحدت بھی صرف اتفاقات کا نتیجہ ہے۔ یہ وحدت ہمیشہ قائم نہیں رہی۔ یورپ کا

کوئی ملک ایسا نہیں جہاں محض لوگوں کے ناموں سے اُن کی قومیت کا پتہ چل سکے۔ لیکن ہندوستان میں محض افراد کے نام سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب ایسے حالات ہوں۔ تو اس ملک میں وہ طرزِ حکومت کیسے کامیاب ہو سکتا ہے جو یورپ میں نشوو ارتقاء کے مراحل طے کر کے بلوغ کو پہنچا؟

سمجھوتے کی کوششیں

مسلمانوں میں جب سے سیاسی شعور پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے برادرانِ وطن کے ساتھ مل کر ہندوستان کو آزاد کرانے یا باہمی مسائل کے متعلق سمجھوتا کر لینے میں کبھی تامل نہیں کیا۔ گزشتہ پندرہ بیس برس کی مدت میں کم وبیش پچیس مرتبہ باہمی سمجھوتے کی گفتگوئیں ہوئیں۔ لیکن افسوس کہ سب بے نتیجہ رہیں ابتدا میں برادرانِ وطن اصولی سیاسی امور کو نظر انداز کر کے جزوی امور کے متعلق الجھنیں پیدا کرتے اور سمجھوتوں کو ناکام بناتے رہے۔ جب سیاسی معاملات سامنے آئے۔ تو ان کی کوشش یہ رہی۔ کہ مسلمانوں کو یا تو جداگانہ نیابت کا حق ہی حاصل نہ ہو۔ اور اس طرح وہ اصولاً اکثریت کی تابعیت میں آجائیں۔ یا اگر بدرجۂ آخر یہ حق چھینا نہ جا سکے۔ تو اس کی شکل ایسی ہو جائے۔ کہ مسلمان اپنے استقلال و انفرادیت کو مؤثر نہ بنا سکیں۔ سب سے آخر میں انہوں نے مسلمانوں کی انفرادیت ہی سے انکار کر دیا۔ آپ حضرات کو اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ گزشتہ دو برس میں ہمارے قائدِ اعظم کے ساتھ کانگرسیوں نے جتنی مرتبہ بات چیت کی۔ وہ صرف

مبادی اور مقدمات ہی میں ختم ہو جاتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنی کثرت تعداد۔ پروپیگنڈا کے وسائل کی وسعت اور ہندوستان کے حقیقی حالات سے انگریزوں کی ناواقفیت پر بھروسا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے۔ کہ جو بنیادیں رکھی جاچکی ہیں۔ ان پر عمارت بہرحال اُن کی مرضی ہی کے مطابق تیار ہو گی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ اُن کی گفتگوئیں محض نمائشی اور ریائی تھیں۔ اور سمجھوتے کے پُرخلوص جذبے سے اُن کے دل بالکل خالی تھے۔

صوبجاتی نظام کے تلخ تجربات

۱۹۳۵ء کے دستور کے متعلق ذمہ دار مسلمانوں کی رائے پہلے دن سے صاف اور واضح تھی۔ لیکن جن اصحاب کو اس باب میں کوئی شبہ تھا۔ اسے کانگرسی حکومتوں نے گزشتہ اڑھائی سال میں بالکل دُور کر دیا۔ میں اُن حکومتوں کے اعمال کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ آپ حضرات پوری طرح آگاہ ہیں۔ کہ مسلم اقلیتوں پر کانگرسی حکومتوں کی مختلف النوع سختیوں کا نقشہ کیا رہا۔ اگرچہ ان ناگفتہ بہ سختیوں کا نشانہ زیادہ تر مسلم اقلیتیں ہی بنی رہیں۔ لیکن دوسری اقلیتیں بھی کانگرسی حکومتوں کے ان مظالم سے محفوظ نہ رہیں۔ جو ہندو کانگرسیوں نے اپنی اکثریت کے زعم میں مختلف طریقوں سے ڈھائے۔ ملکی اور وطنی حکومتوں کے طور طریقے ایسے نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن کا شعار یہ ہوتا ہے۔ کہ اکثریت اقلیتوں کو مطمئن رکھنے کی خاطر

اپنے جائز حقوق کا بھی کچھ حصہ چھوڑ دینے میں تامل نہیں کرتی۔ چنانچہ اس نوعیت کا طرزِ حکومت آپ کو صوبہ پنجاب میں نظر آتا ہے جہاں اقلیتوں کو شکایت کا کوئی موقع نہیں دیا گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے برادرانِ وطن کی ذہنیت ہی ایسی ہے کہ کھاتے بھی ہیں۔ اور غرّاتے بھی ہیں۔ اور اُن کی جانب سے اگر کوئی شور سنائی دیتا ہے تو اس کی وجہ محض یہ ہے۔ کہ سرمایہ پرستوں کو یہ گوارا نہیں ہے۔ کہ زمینداروں۔ مزدوروں اور پس ماندہ طبقوں کو ان کے چنگل سے نجات دلانے کی کوشش کی جائے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا درخشاں کارنامہ

یہ حالات تو ۱۹۳۵ء کے دستور کے صوبجاتی حصہ کے نفاذ کا نتیجہ ہیں۔ اگر اس دستور کا مرکزی یعنی فیڈرل حصہ بھی نافذ ہو جاتا تو ہندوستان بھر میں وہی حالت پیدا ہو جاتی۔ جو ہندو اکثریت والے صوبوں میں کانگرسی حکومتوں کے ماتحت ڈھائی برس تک ہمارے دلوں کے لئے انتہائی دکھ کا سامان بنی رہی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ کارنامہ ہمیشہ اسلامیانِ ہند کی تاریخ کا درخشاں باب رہے گا۔ کہ اس جماعت نے قائد اعظم کی رہنمائی نہایت نازک وقت میں نو کروڑ مسلمانوں ہی کو نہیں۔ بلکہ دوسری تمام اقلیتوں کو بھی ایک ایسی مصیبت سے بچایا جس میں ان کی مستقل ہستیوں کے لئے ہولناک خطرات موجود تھے۔ اور آل انڈیا مسلم لیگ آج ہندوستان کے مسائل کو

ایسے طریق پر حل کرانے کے لئے کوشاں ہے۔ جو مسلمانوں کی ملّی ہستی اور آزادی و استقلال کا ضامن ہو۔ نیز دوسری اقلیتوں کو محفوظ کر دے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ مسلمانوں نے اپنی واحد نمائندہ جماعت (آل انڈیا مسلم لیگ) کے اس نصب العین کا صحیح اندازہ کر لیا ہے۔ ہر مسلمان میں مسلم لیگ کے لئے سچی تڑپ پیدا ہو چکی ہے۔ اور وہ اس کے جھنڈے تلے جوق در جوق جمع ہو رہے ہیں جس جماعت کا نصب العین یہ ہے۔ کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے آزادانہ زندگی بسر کرنے کے تمام ضروری وسائل مہیا ہو جائیں۔ اُس کے لئے کون سا مسلمان اپنی زندگی کی عزیز ترین متاع بہ طیب خاطر وقف کر دینے کے لئے تیار نہ ہوگا۔

آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام

آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام ایک ایسا واضح اور روشن نصب العین ہے۔ جس کی معقولیت سے نہ کانگرس انکار کی جرأت کر سکتی ہے۔ نہ اس پر حکومت برطانیہ کو اعتراض ہو سکتا ہے۔ اور نہ دنیا کی رائے عامہ اسے غیر حق بجانب ٹھہرا سکتی ہے۔ مسلم لیگ ہندوستان کی کامل آزادی کی علمبردار ہے۔ لیکن یہ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ کہ نو کروڑ مسلمانوں کی قوم کے جائز ملّی حقوق محض ایک نام نہاد اکثریت کے ہاتھوں پامال ہوتے رہیں۔ لیگ ہندوستان کی کامل آزادی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کامل آزادی کے حصول کے

لئے بھی جان و مال کی انتہائی قربانی پر آمادہ ہیں۔ اور وہ ہر اس دستورِ حکومت کو ناقص اور ادھورا قرار دے کر ٹھکراتی رہے گی۔ جس میں آزادی ملک کے ساتھ آزادی مسلمین کا مقصد بوجہ اتم پورا نہ ہو۔

قومی تنظیم کی ضرورت

آل انڈیا مسلم لیگ کو مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی اور حمیت اسلامی کا بھی اندازہ ہے۔ اور وہ ان کی فروگذاشتوں اور کمزوریوں سے بھی باخبر ہے۔ اب اس کے پیش نظر صرف یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو منظم کر دے۔ تاکہ وہ صوبہ سرحد سے راس کماری تک یک دل۔ یک جان اور یک زبان ہو جائیں۔ اور جب قائداعظم کی آواز انہیں عمل کی دعوت دے۔ تو سارا اسلامی ہند خلوص قلب کی انتہائی گہرائیوں سے لبّیک پکار اٹھے۔ آپ حضرات پر روشن ہے۔ کہ ہر جدوجہد کے لئے یقین۔ اتحاد اور ظاہری سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ یقین کے اعتبار سے مسلم قوم اس قدر مالامال ہے کہ کوئی دوسری ہندوستانی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہر مسلمان محسوس کر رہا ہے۔ کہ اس ملک میں عزت و آبرو اور آزادی کی زندگی بسر کرنا اس کا طبعی حق ہے۔ اتحاد و تنظیم کی قوتیں بروئے کار آچکی ہیں۔ اور مسلمانوں کا بہت بڑا تناسب آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو چکا ہے۔ باقی رہا ساز و سامان کا مسئلہ تو یقین و اتحاد کی

منزلیں طے ہونے کے بعد یہ بآسانی مہیا ہو جائے گا۔ لیکن جب تک یہ تینوں منزلیں طے نہ ہو جائیں۔ اور مسلمان کیل کانٹے سے بالکل لیس نہ ہولیں۔ وہ آئیندہ جدوجہد میں اپنے قومی اور ملی واجبات کو کیوں کر پورا کر سکتے ہیں؟ دانا جرنیل وہی ہے جو پوری تیاری کے ساتھ میدان میں آئے اور یقینی فتح پائے۔ اب قوم کا فرض ہے۔ کہ جرنیل کے مطالبے کو پورا کرے۔ اور اپنے تمام اندرونی اختلافات ومناقشات کو فراموش کر کے ہنگامۂ عمل کا ساز و سامان فراہم کرنے میں مصروف ہو جائے۔

ایک مغالطہ کا ازالہ

نہایت تاسف کا مقام ہے۔ کہ ہمارے بعض بھائی جن کو خدا نے علم و نظر کی دولت بھی دی ہے۔ اور جو عمل وایثار کے میدان میں بھی اپنی مثالیں کم رکھتے ہیں۔ خدا جانے اغیار کے کس طلسم میں اسیر ہو کر اپنی قوم کے ساتھ رشتہ توڑ چکے ہیں۔ اور کانگرس کے سنگِ آستاں پر سر ٹکرا رہے ہیں۔ جو مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ محض ہندوؤں کے لئے لڑ رہی ہے۔ اور جو اس ملک میں اکثریت کی مصیطرانہ حکومت قائم کر کے مسلمانوں کو پامال کر دینا چاہتی ہے۔ افسوس ہے ہمارے یہ محترم بھائی زمانہ حاضرہ کے حالات کو ان کی صحیح روشنی میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ اور کانگرس کے غوغائے آزادی

کو سن کر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کہ غالباً کانگرس سارے ملک کی آزادی چاہتی ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ یہ آزادی کی جنگ نہیں۔ کانگرسی ہندو اس پر تُلا ہوا ہے کہ اس ملک میں حکومت برطانیہ کا جانشین بن کر رہے گا۔ اگر ہمارے نام نہاد قوم پرست بھائی صحیح اور صاف اور کھری آزادی کے لئے جد وجہد کرنا چاہتے ہیں۔ تو وہ مسلم لیگ میں آجائیں۔ جس کا نصب العین کامل آزادی ہے۔ اور جو ہندوستان کے ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کی آزادی کی بھی طالب ہے۔ ان بھائیوں سے ہماری نہایت مخلصانہ و عاجزانہ استدعا ہے کہ وہ ترکِ جماعت کے وعید سے ڈریں اور اُدھر شامل ہوں۔ جدھر مسلمان ہندوستان کی آزادی کا پرچم اڑا رہے ہیں۔ کانگرس کے ساتھ شامل ہونے سے کوئی مسلمان اس ملک میں اسلام کی آزادی حاصل نہیں کر سکتا۔ اور جو اس مغالطہ میں گرفتار ہے۔ اس کے دماغ پر خدا رحم کرے۔

مسلم اکثریتوں کا طرزِ عمل

کانگرسی حکومتوں یا مختلف صوبوں کی ہندو اکثریتوں کے طرز عمل کا سرسری نقشہ میں اوپر پیش کر چکا ہوں۔ اس کے مقابلے میں مسلم اکثریتوں کا طرز عمل پنجاب اور بنگال کی حکومتوں کے سلسلے میں آپ کے سامنے آشکارا ہے۔ آپ دیکھیں کہ ان صوبوں میں وزارتیں بناتے وقت مسلمانوں نے کس طرح ہر اقلیت کے صحیح نمائندے اپنے ساتھ ملائے۔ اور اس طرح اقلیتوں کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کیا۔ پنجاب کے متعلق میں پورے وثوق سے

سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ یہاں اب تک عام لوگوں کی فلاح و بہبود اور پس ماندہ طبقوں کی جائز امداد و دستگیری کے لئے جتنے قوانین منظور ہوئے۔ ان کا مقابلہ ہندوستان کی کوئی کانگریسی حکومت نہیں کر سکتی۔ اور ان قوانین سے سب قوموں کے پس ماندہ طبقوں کو فائدہ پہنچا حکومت اور نظم و نسق کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں ہمارے کسی غیر مسلم بھائی کو بھی جائز اور معقول شکایت کا موقع پیش آیا ہو ہندوستان کے لئے حکمرانی یا مجھے کہنا چاہیئے کہ عوام کی خدمتگزاری کا صحیح نمونہ یہی ہے۔ اگر ہندو اکثریت والے صوبوں کے کارپرداز اس نمونے کی پیروی کرتے اور اس مسلک پر چلتے تو آج مختلف قوموں کے باہمی تعلقات میں کس درجہ خوشگواری نمایاں ہوتی

ہمارے صوبے کے جنوبی و مشرقی حصے میں دو برس سے قحط نمودار ہے۔ اس علاقے میں اکثریت ہمارے ہندو جاٹ بھائیوں کی ہے لیکن کیا ہماری حکومت نے اس کی امداد میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھا؟ یہ واقعہ ہے کہ موجودہ سال کی رقم سمیت تین برس میں اس علاقے کے باشندوں کی امداد پر پونے تین کروڑ روپے صرف ہو جائیں گے؟ مسلم اکثریت کے طرز عمل کی اس سے بہتر شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟

شاہی مسجد

لاہور کی شاہی مسجد مغلیہ دور کی ایک مایۂ ناز اسلامی یادگار ہے۔ جسے بنے ہوئے کم و بیش پونے تین سو سال گزر چکے ہیں۔ یہ عالی شان یادگار مدت سے مرمت طلب تھی۔ اور اندیشہ تھا کہ خدانخواستہ اسے کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ ہمارے وزیر اعظم سر سکندر حیات خان نے اس کی مرمت کا بیڑا اٹھایا۔ خرچ کا تخمینہ گیارہ لاکھ تھا جس میں حکومت ہند نے بھی حصہ لیا حضور نظام کی حکومت نے بھی اپنی روایتی فراخدلی سے اعانت کا حق ادا کیا ہم ان اعانتوں کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ بقیہ رقم کو پورا کر دینے کا ذمہ خود مسلمانوں نے اٹھا لیا۔ اور بہ طیب خاطر اس غرض کے لئے کسی قدر زائد رقم مالیہ کے ساتھ دینی منظور کر لی۔ اس طرح اس تاریخی اسلامی عمارت کو از سر نو اس عالیشان

حالت پر لانے کا انتظام ہو گیا۔ جب کہ یہ پہلے بہل بنی تھی۔ اور اس کا استحکام پھر دو تین صدیوں کے لئے محفوظ ہو گیا۔

اسلامی اکثریت کے طرزِ عمل کا یہ کتنا اچھا منظر ہے۔ یعنی ہر قوم کے تمام جائز حقوق کی حفاظت ہر پس ماندہ اور مصیبت زدہ طبقے کی اعانت خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اور خود اپنی ذمہ داری پر اپنے تاریخی آثار و باقیات کا تحفظ، میں فخر و ستائش کے طور پر نہیں بلکہ محض اظہار حقیقت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ کوئی کانگریسی حکومت اس طرزِ عمل کا ادھورا سا نمونہ بھی پیش نہیں کر سکتی۔ اور پنجاب و بنگال میں جس انداز سے اقلیتوں اور پس ماندہ طبقوں کے ساتھ انصاف کیا جا رہا ہے، وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اصول و منہاج کے عین مطابق ہے جس کو مخالفین متعصب جماعت کہہ کر بدنام کیا کرتے ہیں۔

ختم کلام

اے مہمانان محترم اور اے برادران اسلام میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کے صدقے میں آپ کے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دے۔ آپ کو دولت یقین سے مالا مال کرے۔ اور آپ جس عظیم الشان کام کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں اس کے اہتمام و انصرام میں کامیابی عطا فرمائے۔ رَبَّنَا ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۞

آخر میں میں پھر ایک دفعہ آپ حضرات کی تکلیف فرمائی اور تشریف آوری کے لئے دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور میں اپنے فرض میں کوتاہی کرنے کا مجرم ہوں گا۔ اگر مجلس استقبالیہ کے محنتی، مخلص اور سرگرم کارکنوں کی خدمت میں دلی ہدیہ تشکر پیش نہ کروں جنہوں نے اس اجلاس کے انعقاد کی کوششوں میں شبانہ روز میرا ہاتھ بٹایا۔ اور جن کے تعاون کے بغیر میں اپنے کمزور کندھوں پر اتنا بارِ گراں ہرگز نہ اٹھا سکتا تھا۔